ڈاکٹر پیر محمد حسن ، شخصیت و فن

ڈاکٹر عبدالرشید رحمت

میرے لئے یہ امر باعثِ صد افتخار ہے کہ مجھے آپ حضرات نے جس شخصیت کے بارہ میں گفتگو کرنے کا موقعہ فراہم کیا ۔ ان کی ذات سے میرا بھی ایک تعلق ہے۔ میں نے کچھ عرصہ ان کی صحبت میں بیٹھ کر علم کی خوشہ چینی کی ۔ پیر صاحب کی شخصیت علمی دنیا میں محتاج تعارف نہیں خصوصاً عربی زبان و ادب کے حلقوں میں آپ کی ذات ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

میں نے محترم ڈاکٹر پیر صاحب کو سب سے پہلے ۱۹۶۴ء میں دیکھا جب وہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں پہلی مرتبہ شیخ الادب اور صدر شعبہ عربی زبان و ادب کی حیثیت سے تشریف لائے ۔ شروع میں اجازہ چہارم (بی ۔ اے) کے دو اسباق انہیں پڑھانے کے لئے دیئے گئے جن میں الکامل للمبرّد حصۂ اول جیسی ادقّ علمی کتاب اور دیوانِ مُتنبّی شامل تھیں۔ میں نے تھری پیس سوٹ میں ملبوس ایک شخص دیکھا جو لغت،نحو، بلاغت پر گفتگو کرتے ہوئے استشہادات کے سلسلہ میں بحرِ بیکراں محسوس ہو رہا تھا ۔ ایک شعر کی تشریح میں بطور استشہاد قدیم عربی شاعری میں اس کا استعمال ، خصوصاً قرآن مجید اس لفظ کو کس انداز میں استعمال کرتا ہے وغیرہ ۔ میرے لئے یہ طریقِ تدریس بالکل نیا تھا ۔ اسی دن سے میں نے یہ محسوس کیا کہ ڈاکٹر صاحب دوسرے اساتذہ سے انداز تدریس

میں ایک ممتاز مقام رکھتے ھیں ۔ اس طرح ان سے علمی عقیدت میں روز بروز اضافہ ھوتا چلا گیا ۔

محترم ڈاکٹر پیر صاحب کی شخصیت اور ان کے علم و فن پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ھوتا ہے کہ مختصراً ان کے حالاتِ زندگی پیش کروں ۔

ڈاکٹر پیر صاحب نے ۱۹۰۴ء میں امرتسر کے ایک مذھبی گھرانہ میں آنکھ کھولی ۔ آپ کے اسلاف کشمیر سے امرتسر آکر آباد ھو گئے تھے ۔ آپ کے خاندانی سلسلہ کا تعلق حضرت مخدوم حمزہ کشمیری سے ہے جن کا سنِ وفات ۹۹۹ھ ہے ۔ آپ کا مزار آج بھی مقبوضہ کشمیر میں مرجعِ خلائق ہے (۱) ۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز امرتسر سے کیا جہاں اسلامیہ ھائی سکول میں داخلہ لیا ۔ اس سکول میں آپ کو ایک ایسی شخصیت سے استفادہ کا موقعہ ملا جس نے آپ کی خفیہ صلاحیتوں کو بیدار کیا اور سونے پر سہاگے کا کام دیا ۔ میری مراد اس دور کے عالمِ بے بدل علامہ ابوالدرداء محمد عالم آسی النطاسی (م۱۹۴۴ء)سے ہے ۔ مولانا محمد عالم کی عربیّت اس قدر مشہور تھی کہ امرتسر کے جتنے نوجوان اس دور میں علم و فضل کے حوالہ سے مشہور ھوئے وہ سب مولانا محمد عالم کے شاگرد تھے ۔ تذکرہ نگاروں نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ امرتسر کے اکثر علماء و ادباء نے آپ کے خرمنِ فیض سے خوشہ چینی کی ہے ۔ مثلاً ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ مرحوم سابق صدر شعبۂ عربی ، گورنمنٹ کالج لاھور اور صوفی غلام مصطفی تبسّم وغیرہ (۲) ۔

مولانا محمد عالم کا مختصر تعارف :

آپ ۱٦ برس کی عمر میں بغرض حصول علم لاھور تشریف لائے

اور اس وقت کے مشہور فضلاء علم جو مدرسہ نعمانیہ میں فرائض تدریس سرانجام دے رہے تھے،سے کسب فیض کیا۔جن میں ابوالفیض محمد حسن فیضی ، مولانا غلام قادر بھیروی، بادشاھی مسجد لاھور کے خطیب، مولانا غلام محمد بگوی اور مفتی عبداللہ ٹونکی کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ھیں ۔

آپ نے مدرسہ نعمانیہ لاھور سے فراغت پانے کے بعد منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحان پاس کئے اور مولوی فاضل کے امتحان میں اول آئے ۔ طلائی تمغہ کے علاوہ ۳۳ روپے ماھوار وظیفہ حاصل کیا ۔ حکیم حاذق اور زبدۃ الحکماء کے امتحان بھی پاس کئے ۔ مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد لاھور میں مدرسہ نعمانیہ اور مدرسہ حمیدیہ میں اول مدرس رھے ۔ بعد میں آپ امرتسر چلے گئے اور ایم ۔ اے ۔ او سکول امرتسر میں اول مدرس مقرر ھوئے ۔ جب وہ سکول کالج بنا تو اس میں بطور لیکچرر فرائض منصبی انجام دیئے ۔

آپ اردو ، فارسی اور عربی میں بلاتکلّف شعر کہتے تھے ۔ نقشبندی سلسلہ میں آپ نے حضرت شاہ ابوالخیر دھلوی سے بیعت کی تھی،بعد میں خلافت سے بھی سرفراز ھوگئے تھے (۲) ۔ آپ نے درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی کارھائے نمایاں سرانجام دئے تھے اور پچاس سے زائد کتب ورسائل تصنیف کئے ۔ ان میں **الکادیۃ علی الغادیۃ** دو جلدوں میں ہے ، اور ایک مختصر عربی رسالہ ,,**الجثجاث علی السلام فی الذبّ عن حریم الاسلام**،، خاص طور پر قابلِ ذکر ھیں ۔

ڈاکٹر پیر صاحب نے ۱۹۲۷ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا ، ۱۹۲۹ء میں صرف انگریزی میں بی ۔ اے کرنے کے بعد ایم ۔ اے (عربی) کے باقاعدہ طالبعلم کی حیثیت سے اورنٹیل کالج لاھور میں

داخله لیا،جہاں اس وقت صدر شعبۂ عربی ڈاکٹر مولوی محمد شفیع تھے ـ چھ ماہ میں ایم ـ اے (عربی) کا امتحان دے کر یونیورسٹی میں اول آئے ـ

آپ نے اپنی ملازمت کا آغاز ۱۹۳۱ء میں سناتن دھرم کالج لاہور سے کیا،جہاں عارضی طور پر فارسی کے لیکچرر تعینات ہوئے ـ ۱۹۳۲ء میں لاہور کالج فار ویمن میں فارسی ھی کے لیکچرر منتخب ہوئے ـ ملازمت کے دوران ھی ۱۹۳۶ء میں ایم ـ اے (فارسی) کیا اور ۱۹۳۸ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی (۴)ـ یہ علمی کام شہرزوری کی ,,نزهة الارواح وروضة الافراح،، کے اس حصہ کی ایڈیٹنگ تھی،جو مسلم فلاسفہ سے متعلق تھی ـ اس سلسلہ میں یہ حقیقت تاریخی ہے کہ اس مقالہ پر پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے ۱۹۳۸ء میں سب سے پہلے آپ ھی کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی ـ اس مقالہ کے ممتحنین میں مشہور مستشرق ڈاکٹر کرینکو شامل تھے،جنھوں نے آپ کے مقالہ پر اپنا ریویو کئی طویل صفحات میں لکھا ـ جس میں سے چند صفحات کی نقل ڈاکٹر پیر صاحب کو دی گئی ـ یہ نقل دیتے ہوئے خان بہادر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے کہا کہ میں مکمل رپورٹ آپ کو نہیں دے سکتا ـ کیونکہ ممتحن نے آپ کے مقالہ کی بہت زیادہ تعریف کی ہے ـ البتہ ڈاکٹر صاحب کی زبانی جو ریمارکس ہم تک پہنچے وہ کچھ یوں ھیں : ,,کہ اس شخص کو عربی زبان پر مکمل عبور ہے،، ـ

عربی زبان و ادب کا ذوق ڈاکٹر صاحب میں آغازِ شباب سے ھی موجود تھا ـ مجھے ایک ملاقات میں بتایا کہ میں نے سبعہ معلقات کے ساتوں معلقے پہلے زبانی یاد کئے اور بعد میں اسے استاد سے پڑھا ، اس کے علاوہ عربی زبان سے ان کے خصوصی تعلق کی یہ مثال کافی

ہے کہ انھوں نے ایک دفعہ بتایا :

,,کہ میں ہر روز صبح سویرے جب سیر کرنے کے لئے باہر جاتا تو تیس کے قریب عربی اشعار کاغذ کے ایک پرزہ پر لکھ لیتا تھا ، سیر سے واپسی پر وہ تمام اشعار لوحِ حافظہ پر نقش ہو جاتے تھے،، استاذ العرب والعجم علاّمہ عبدالعزیز میمن کے بارہ میں سکالرز نے لکھا ہے کہ اُنھیں صرف عربی زبان کے تقریباً ستر ہزار اشعار زبانی یاد تھے ـ ڈاکٹر پیر صاحب کو ابتدائی عمر میں ھی تیس ہزار سے زائد اشعار زبانی یاد تھے ـ یہی وجہ ہے کہ آپ عربی زبان میں بلاتکلف شعر کہہ سکتے ھیں ـ جنھیں پڑھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ کسی دور حاضر اور عجمی عالم کے کہے ہوئے اشعار ھیں ـ ڈاکٹر صاحب کے بقول تقسیمِ ہند سے قبل آپ ہر جمعرات کو دار العلوم دیوبند میں جو ھفتہ وار طرحی مشاعرہ منعقد ھوتا تھا اس میں آپ اپنی عربی نظم یا غزل باقاعدہ ارسال کیا کرتے تھے اور ایک عرصہ کے بعد اس نے مکمل دیوان کی شکل اختیار کر لی ـ

تقسیم ہند سے جہاں مسلمانوں کو ایک علیحدہ وطن نصیب ہوا وہاں کچھ نقصانات خصوصاً علمی طور پر ہوئے ہم پاکستانی بہت سی قیمتی چیزوں سے محروم ہو گئے ـ تقسیم ہند کے وقت ڈاکٹر صاحب کا پورا علمی ذخیرۂ کتب اور شعری بیاض امرتسر میں ھی رہ گئے ـ یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک سکالر کا کتب خانہ اس کا ذہنی سرمایہ ہوتا ہے جس کی اہمیت کا عام آدمی تصوّر بھی نہیں کر سکتا ـ

پاکستان بننے کے بعد آپ کو کتابوں کے سلسلہ میں زیادہ دقّت کا سامنا نہ کرنا پڑا ، اللہ تعالی نے آپ کی مدد اس طرح فرمائی کہ کتابیں اور خصوصاً علمی نوادرات جمع کرنے والی شخصیت کو آپ کا شاگرد بنا دیا،میری مراد مرحوم کرنل عبدالعزیز سے ہے جو اپنے

قیمتی کتب خانه، عربی زبان واسلامی علوم کے حواله سے پاکستان بھر میں مشہور تھے ۔ ڈاکٹر صاحب کو تصنیف و تالیف کے سلسله میں جس کتاب کی ضرورت ھوتی مرحوم کرنل صاحب بلاتکلف مہیا کر دیتے تھے ۔ چنانچه پیر صاحب لکھتے ھیں :

,,محترم کرنل صاحب اگرچه میڈیکل کے طالب علم تھے لیکن کتابیں جمع کرنے کے شوق میں ایک استاد سے فارسی زبان پڑھنی شروع کی اور بعد میں باقاعده عربی کی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی ،،(۵)۔

اسی طرح ان کے بارے میں یه بھی لکھا ہے :

,,که اس خاکسار کو اجازت تھی که ان کی کتابوں میں جہاں کہیں بھی طباعت کی اغلاط ھوں درست کر دیا کروں ، چنانچه ان کی کتابوں پر میری تصحیحات موجود ھیں ،،(٦)۔

میرے ذاتی ریکارڈ میں ڈاکٹر پیر صاحب کے کہے ھوئے باره قصائد و مرثیے جو آپ نے بعض تو محض تفنّنِ طبع اور بعض کسی خاص واقعه کی مناسبت سے کہے ، موجود ھیں ، ان میں سے بعض مطبوعه ھیں اور بعض ابھی تک شائع نہیں ھو سکے ۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب کی ایک اور خصوصیت علم عروض پر آپ کی کامل دسترس ہے۔ حقیقت یه ہے که فن عروض جانے بغیر شاعر نه تو صحیح شعر کہه سکتا ہے اور نه ھی غلط شعر کی تصحیح کر سکتا ہے۔ آپ شعر پڑھتے ھی بتا دیتے ھیں که فلاں شعر فنی لحاظ سے درست ہے یا غلط، اور بعد میں اس کی تصحیح بھی کر دیتے ھیں ۔ اسی لئے ان کے اپنے اشعار بھی علم عروض کے اوزان اور قوافی پر پورے اترتے ھیں ۔ علم عروض پر مہارت تامه رکھنے سے یه ثابت ھوتا ہے که ڈاکٹر صاحب کے خیال میں آزاد نظم کی کوئی وقعت نہیں اور وه شعر کے

دائرہ سے خارج ہے۔

سامعین و قارئین کی ضیافتِ طبع اور خصوصاً عربی ذوق رکھنے والے سامعین کے لئے ڈاکٹر پیر صاحب کے چند عربی اشعار ملاحظہ ہوں۔ آپ لکھتے ہیں :

قرأت فی جریدة خدام الدین قصیدة فی رثاء حسین احمد المدنی وکانت غثا لا اثاء فیه فخطر فی روعی ان ارثیه فقلت :

ان صنع الله مما لا یعد
هکذا آلاءہ ما لا یُحَد

کیف ینجوا عائش منها اذا
نشبت اظفارهن فی احد

إخوتی کیف حملتم نعشه
هل رضیتم ان یدسّه الصعد

ما دهاک یا دیوبند إذا
مات احمد و منک الرحل شد

دفنوا علیه الحدیث معه
حینما الحُنّار أُجرًا نَضَدْ

هلک لم یکن هلک واحد
بل هلاکُ القوم طُرًّا قد یُعَد

اور سب سے آخری شعر یہ ہے :

ساعزّی النفس إذ اری
لا یردّ الموت عنه من أحد (۷)

اسی طرح ایک اور عربی نظم میں سید ابو الاعلی مودودی مرحوم جو اس وقت کی حکومت کی نظر میں معتوب تھے۔ انھوں نے راولپنڈی میں ایک جلسہ عام کیا ، کے متعلق ڈاکٹر پیر صاحب لکھتے

ہیں :

وقلت فی ابی الاعلی حین جاء الی راول فندی واحتفل احتفالا ـ

دع ذکر ھذا الطلل المحیل
ولا تعج علیه بالعویل
بل احبّن بالعالم النبیل
ومرشد الناس الی السبیل
جاھد فی الله بکل قیل
وازھق الباطل بالدلیل
قاسیٰ من الآلام فی الجلیل
ما یذھل الخلیل عن خلیل
مالک فی ضعک من عدیل
فکیف ترضی منک بالبدیل
فالله قد یجزیک بالبدیل (۸)

یہ نظم بحر رجز میں ہے اور غیر مطبوعہ ہے۔ جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کو لوگ ان کی جماعت سے وابستہ نہ سمجھیں ـ

اسی طرح ڈاکٹر پیر صاحب جن علمی شخصیتوں سے اپنی کتابوں میں متاثر نظر آتے ہیں ان میں سید محمد انور شاہ کشمیری محدث دار العلوم دیوبند کا اسم گرامی سرفہرست ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت کشمیری اپنے وقت میں علم کا چلتا پھرتا کتب خانہ تھے اور اپنے علم و تقوی کی وجہ سے عوام و خواص میں یکساں مقبول تھے ـ ڈاکٹر صاحب ان کی علمی شخصیت سے خاصے متاثر نظر آتے ہیں ـ ایک اور عربی نظم میں لکھتے ہیں :

وقلت اصف ارض القشير واتخلص الى مدح انور شاه العلامة القشيری ۔

أيا حبّذا ارض القشير و روضها
ويا حبّذا ازهارها وقصورها
مياه عذاب قد أحاطت بأرضها
فيا حسن اشجار و حسن طيورها
ويا حبّذا اذا اَنجَبَتْ بسميدعٍ
كريم المحيا باسم الثغر خيرها
هوالانور الجر الفطين الذی به
سری ذكر ارض القاشمير و دورها
تقیّ نقیّ خاشع ثم تقن
علوما انار الخافقين سفورها (۹)

مشتے نمونہ از خروارے چند اشعار پیش کر دیئے ھیں ۔ وگرنہ آپ کے شعری ذوق کے حوالہ سے ایک علیحدہ مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔

جامعہ اسلامیہ بھاولپور سے فراغت (۱۹۷۰ء) کے بعد آپ نے ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کی لائبریری سے بھرپور استفادہ کیا ۔ آپ مسلسل کئی سالوں تک ھر روز صبح سویرے باقاعدگی سے ادارہ کی لائبریری میں تشریف لاتے رھے حتی کہ بعض لوگوں کو یہ یقین ہونے لگا کہ آپ ادارہ ھی کے ملازم ھیں ۔

عربی زبان کے حوالہ سے آپ اشعار کے چند نمونے ملاحظہ کر چکے ۔ آپ عربی نظم کے ساتھ ساتھ عربی نثر لکھنے پر بھی قادر ھیں ، الصغانی الاھوری کی مشھور لغت ,,العباب الزاخر،، جس کی تدوین و تحقیق آپ کا علمی شاھکار ہے ، کے بارے میں مجھے ایک خط میں لکھا :

,,كه اس كا مقدمه جو عربى زبان ميں ہے مطبوعـه اوراق كے حساب سے تقريباً ايک سو صفحات پر مشتمل ہوگا،، (۱۰) ـ

عربی اسلوب نگارش کی ایک جھلک پیش کرنے کے لئے ، ان کے لکھے ہوئے عربی زبان میں ایک خط کی چند سطور ملاحظه ہوں :

,,اما استحييت حين اغتررت ونسيت اباطيل الشباب وخز عبلاته وان الشباب يندمون من فلتات السنهم ولا كذامة الكسعيّ حين ابان له النهار او الفرزدق حين بانت منه النذار، والكهول لهـم بامـور دربة وبعقبات الحيوة حنك، . وانهم قد ذاقوا حلوّ العيش ومرّة وأكل عليهم الدهر وشرب ،، (۱۱) ـ

بطور محققؔ ونقّاد :

اس میں کوئی شک نہیں که ڈاکٹر پیر صاحب کا فنِ تخصیص عربی زبان و ادب ہے لیکن جہاں تک تحقیق ونقد و تبصرہ کا تعلق ہے، آپ کسـی محققؔ و نقّـاد سے کم تر نہیں ـ ڈاکٹر صاحب کے چند مطبوعہ مقالات و تصانیف میں اس کی جھلک واضح طور پر نظر آتی ہے ـ

سید علی ہجویری اور حسین زنجانی کے بارہ میں ایک مشہور تاریخی قصه بیان کیـا جاتـا ہے اور صوفیـاء کرام کے ہاں اس کا خصوصی ذکر ملتا ہے ـ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس سلسله میں ایک علمی مقاله شائع کیا ہے ـ آپ مقاله کے آغاز میں لکھتے ہیں :

,,بزرگوں کا احترام اپنی جگه پر ہے ، احترام کی حدود کے اندر رہتے ہوئے کسی تحقیقی بات کے پیش کرنے میں کوئی مضائقه نہیں ہونا چاہیئے ،،(۱۲) ـ

یه کہنا بالکل درست ہے که لوگ عقیدت کی بناء پر کسی ایسے مسئله پر بحث کرنا مناسب نہیں سمجھتے جو کسی بڑے بزرگ کی

طرف منسوب ہو ۔ یہ قصہ کہ جس وقت حضرت علی ہجویریؒ اپنے مرشد کی ہدایت پر لاہور تشریف لا رہے تھے عین اس وقت حضرت حسین زنجانی کا جنازہ آ رہا تھا ۔ یہ واقعہ سب سے پہلے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات مرتبہ خواجہ حسن دہلوی یعنی فوائد الفوائد میں درج ملتا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے دلائل و شواہد کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ تاریخ سے اس واقعہ کی شہادت نہیں ملتی ، بلکہ اس کی تردید و تکذیب میں بیانات پائے جاتے ہیں ۔

اسی طرح خواجہ کے ایک اور تسامح کی طرف بھی اشارہ کیا کہ خواجہ نے ابوالقاسم نصر آبادی کو ابو سعید ابوالخیر کا پیر قرار دیا ہے حالانکہ ابو سعید ابوالخیر کے کسی تذکرہ نگار نے نصر آبادی کو ان کا پیر قرار نہیں دیا (۱۳) ۔

ڈاکٹر پیر صاحب نے اپنے ایک اور علمی لیکچر بعنوان ,,متحدہ پاک و ہند کے ابتدائی مبلغین،، میں یہ ثابت کیا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں مالابار کے باشندے اسلام لانے میں سب سے اول تھے اور اہل ہند میں سب سے پہلے مالابار کا راجہ مسلمان ہوا ۔ اسلام کی طرف ان افراد کا میلان واقعہ شق القمر کی وجہ سے ہوا تھا ۔

سید سلیمان ندوی نے اس امر سے انکار کیا ہے کہ یہ واقعہ آنحضور علیہ السلام کے عہد مبارک میں پیش آیا، ان کے خیال میں قرآن مجید یا احادیث میں ان تمام لوگوں کا ذکر آیا ہے جو آنحضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے ۔

ڈاکٹر پیر صاحب نے سید صاحب مرحوم کے اس استدلال کو ناکافی سمجھا ہے ۔ پیر صاحب نے اس دلیل کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے :

,,کہ سید سلیمان ندویؒ کا یہ اعتراض محض قیاس پر مبنی ہے

جس سے ایک ثابت شدہ تاریخی واقعہ کو یونہی متروک قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ یہ کوئی ضروری امر نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہر آنے والے کا ذکر احادیث میں آ گیا ہو ۔ آنحضور علیہ السلام کی موجودگی میں صحابہ کے نزدیک نہ کسی بادشاہ کی کوئی قدر و منزلت تھی نہ کسی بڑے آدمی کی ،،(۱۴) ۔

اپنی اس دلیل کو خفاجی بحوالہ نسیم الریاض ثابت کیا ہے ، لکھتے ہیں :

کہ ایک بار آنحضور علیہ السلام مسجد میں تشریف فرما تھے ، کچھ لوگ آئے وہ آنحضور علیہ السلام کو نہ پہچانتے تھے ۔ نوواردوں نے اپنی زبان میں ،، من ابوان اسیران،، کہا ۔ کوئی نہ سمجھ سکا ۔ آنحضور علیہ السلام نے ان کی آواز سن کر انہی کی زبان میں فرمایا: اشکدو ،، ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد صحابہ کرام نے آنحضور علیہ السلام سے پوچھا : تو آپ نے فرمایا : انہوں نے ،،ایکم رسول اللہ،، کہا تھا ۔ میں نے انہیں ،،ادھر آؤ،، کہا تھا ۔ ان لوگوں کے متعلق کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس ملک کے باشندے تھے اور یہ الفاظ کس زبان میں کہے گئے تھے ،، (۱۵) ۔

خلاصہ یہ کہ اس دلیل سے ڈاکٹر صاحب نے یہ ثابت کیا کہ اہل مالابار سے آنحضور علیہ السلام نے انہی کی زبان میں گفتگو کی ہوگی اور ان کی زبان نہ جاننے کی وجہ سے کوئی صحابی یہ معلوم نہ کر سکا کہ وہ کون لوگ تھے ۔

اسی طرح اسلامی دنیا کے بیشتر تعلیم یافتہ حضرات مستشرقین یورپ اور ان کی تحقیق سے متاثر اور مرعوب نظر آتے ہیں حالانکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات مغربی مستشرقین عربی زبان پر مکمل دسترس نہ رکھنے کے سبب سے اور بعض اوقات اپنے مخصوص

مذھبی تعصب کی وجه سے اصل حقائق کو غلط انداز میں پیش کرتے ھیں ـ

چنانچه اسی امر کی طرف اشاره علامه عبدالعزیز میمن نے اپنے ایک علمی خطبه ,,ابو العلاء المعرّی کے متعلق مستشرقینِ یورپ کی غلطیاں،، میں کیا ہے ـ آپ ایک طویل تمهید کے بعد لکھتے ھیں :

,,اھل یورپ نے ھر چند که ھماری زبانوں کی بیش بہا خدمتیں کی ھیں مگر چونکه وه ھماری فطری اور کسبی عادات کی ترجمانی کے حقیقی اھل نه تھےـ گویا وه اپنی لیاقت کے بل بوتے پر اور ھماری نالائقی سے فائده اٹھا کر ھمارا بوجھ اپنے دوشِ ھمت پر لینا چاھتے تھے اور اس طرح ھمارا کام خود انھوں نے سنبھالنا چاھا ، اس لئے بتقاضائے سنت الٰهی ضروری تھا که حقیقی اجنبیّت و مغایرت اور اکتسابی فضلیت ولیاقت خلقی خامی اور کمزوری کو ھمیشه دبانے میں کامیاب نه ھو سکے ،،(١٦) ـ

ڈاکٹر پیر صاحب نے اپنے ایک علمی مقاله بعنوان : ,,مستشرقین کی تحقیقات پر تحقیق کی ضرورت،، میں تفصیل سے بیان کیا ہے ـ آپ لکھتے ھیں :

,,که اھل یورپ کی تحقیقات کا سکه تو لوگوں کے دلوں میں بیٹھ ھی چکا تھا ـ لھذا انھوں نے یه سمجھ لیا که تحقیق کے روپ میں جو بات ھم کھیں گے اسے بلا چوں وچرا درست مان لیا جائے گا،،(١٧) ـ

اس علمی مقاله میں ڈاکٹر پیر صاحب نے صرف علم لغت کے حواله سے مستشرقین کی مشهور Lexicon مثلاً **المنجد**، پادری ھاوا کی **الفرائد الدریّة** اور سعید الخوری الشرتونی اللبنانی کی **اقرب الموارد** جیسی مشھور کتب لغت سے یه ثابت کیا ہے که یه مستشرقین ان لغات میں بعض جگه قرآنی الفاظ میں رد و بدل کرکے پیش کرتے ھیں اور

جو لوگ قرآن مجید کے حافظ یا ماہر نہیں ہوتے وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ یہاں تحریف بھی ہوئی ہے۔ اسی طرح یہ مستشرق قرآنی الفاظ و تراکیب تو پیش کر دیتے ہیں مگر یہ ظاہر نہیں کرتے کہ یہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں۔ اسی طرح ان مصنفین نے عربی زبان کے بے شمار الفاظ و تراکیب کو اوّلاً بگاڑنے کی کوشش کی یا انہیں اگر بگاڑا نہیں تو ان کے حقیقی استعمال ومفہوم سے ہٹا کر پیش کیا گیا ہے (۱۸)۔

اس علمی مقالہ کے مطالعہ کے بعد یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب دوسرے عام سکالرز کی طرح مستشرقین کی علمی کاوشوں سے مرعوب نہیں بلکہ انہوں نے جہاں کہیں بھی کوئی بات اسلامی مزاج کے خلاف دیکھی تو اس کا برملا اظہار کر دیا۔

اپنے ایک اور علمی مقالہ بعنوان ,,حقیقت تصوف،، میں لفظ صوفی کے مادہ اشتقاق پر بحث کرتے ہوئے مشہور عیسائی عالم جرجی زیدان اور جرمن مستشرق نولڈیکے کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا کہ لفظ صوفی ایک یونانی الاصل لفظ سے مشتق ہے اور یہ لفظ صوفیا ہے جس کے معنی حکمت کے ہیں (۱۹)۔

اسی طرح مشہور مستشرق R. A. Nicholson نے اپنی کتاب A Literary History of the Arabs میں اس امر پر اصرار کیا ہے کہ تصوف کی تعلیمات میں عیسائیت کے اثرکو تسلیم نہ کرنا غلطی ہے۔ ڈاکٹر پیر صاحب کے خیال میں نکلسن اپنی اس رائے میں اپنی اسلام دشمنی کے اظہار سے باز نہیں رہ سکا۔ ان کے خیال میں ایسا نظریہ اسلامی تصوف پر غلط بہتان ہے (۲۰)۔

ڈاکٹر پیر صاحب کی تصانیف کا مختصر تعارف اور ان پر تبصرہ:

ڈاکٹر پیر صاحب گورنمنٹ ملازمت کے دوران علمی تصانیف و

تراجم کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے ، البتہ اس دوران انہوں نے دو کتابیں شائع کیں ۔

۱ ۔ خزینۃ معارف :

یہ کتاب مشہور صوفی مادر زاد ولی حضرت عبدالعزیز الدبّاغ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے ان کے شاگرد احمد بن مبارک سجلماسی (م ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۲ء) نے ابریز کے نام سے جمع کیا جس کے معنی خالص سونے کی ڈلی کے ہیں ۔ حضرت عبدالعزیز الدبّاغ کے بارہ میں تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ امیّ محض تھے لیکن ان کے شاگرد جو خود ایک متبحّر عالم تھے، جب بعض ادقّ اور علمی مسائل کے بارہ میں اپنے مرشد سے سوالات کرتے تو شیخ اس انداز سے ان کا حل پیش کرتے کہ علماء وقت حیران رہ جاتے تھے ۔

اس کتاب کا سب سے پہلے اردو ترجمہ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے تبریز کے نام سے دھلی سے شائع کیا تھا ۔ ڈاکٹر صاحب نے ترجمہ کرتے وقت الفضل للمتقدم کے حوالہ سے انہیں خراج تحسین پیش کیا ہے ۔ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے اپنے ترجمہ میں حضرت عبدالعزیز الدبّاغ کے بیان سے دو جگہ اختلاف کیا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

,,میرے خیال میں حق حضرت دبّاغ کے ساتھ ہے ۔ مولوی صاحب اپنے عقیدہ کے مطابق بات کر رہے ہیں اور حضرت دبّاغ اپنے عقیدہ اور مرتبہ کے مطابق ،،(۲۱) ۔

قدیم ترجمہ میں زبان کی کمزوری کے علاوہ مترجم نے مکمل ایک باب کا ترجمہ بھی چھوڑ دیا تھا ۔ اس طرح یہ نیا ترجمہ نئے انداز میں بمع مقدمہ و حواشی قارئین سے خراج تحسین وصول کر رہا ہے ۔ اس کتاب کے کئی ایڈیشن علمی کتب خانہ اردو بازار لاہور سے

شائع ہو چکے ہیں ۔

۲ ۔ حیاتِ جاوداں :

یہ کتاب ڈاکٹر پیر صاحب نے دوران ملازمت تصنیف کی ۔ اسے آپ کی مستقل تصنیف کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اسے آپ نے پہلی مرتبہ ۱۹۵۹ء میں راولپنڈی سے شائع کیا ۔ اس تصنیف کا مقصد بقول ڈاکٹر صاحب امت مسلمہ کے ایک متفقہ عقیدہ یعنی حیات انبیاء کا اثبات تھا جس پر اہل سنت کے دو مقتدر گروہ بریلوی اور دیوبندی متفق ہیں ۔ مگر اس اتفاق کے باوجود کچھ لوگ اپنی جہالت اور ہٹ دھرمی کی بناء پر اس میں شکوک وشبہات پیدا کر رہے ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب نے اس عقیدہ کی وضاحت کے لئے اکابر علماء دیوبند کی تصانیف سے خصوصی طور پر استفادہ کیا تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ۔

اس کتاب کے مصادر و مراجع علماء امت کے اکابرین کی تصانیف پر مشتمل ہیں اور بطور استشہاد مختلف تاریخی واقعات بھی پیش کر دیئے گئے ہیں تاکہ قارئین کی دلچسپی برقرار رہے ۔ کتاب کے آخر میں اس موضوع سے متعلق تین نایاب اور مختصر رسائل ایک فارسی اور دو عربی میں بمع اردو ترجمہ شامل کر دیئے گئے ہیں ۔ اس طرح حیات جاوداں کی اشاعت سے وہ رسائل دوبارہ محفوظ ہوگئے۔جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱ ۔ حیاتِ انبیاء ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

۲ ۔ حیاتِ انبیاء ۔ بیہقی

۳ ۔ انباہ الاذکیا فی حیوۃ الانبیاء ۔ جلال الدین سیوطی

یہ کتاب حال ہی میں دوسری بار شائع ہو چکی ہے۔

۱۹۶۳ء میں جب سابق جامعہ عباسیہ بہاولپور نے جامعہ اسلامیہ

کی شکل اختیار کی تو شعبۂ عربی کی صدارت کے لئے عمائدینِ جامعہ کی نظر آپ کی ذات پر پڑی - یوں ڈاکٹر صاحب ۱۹٦۳ء میں شیخ الادب اور صدر شعبۂ عربی زبان و ادب کی حیثیت سے روھی کے ریگ زاروں میں علمی و ادبی آبیاری کے لئے بھاولپور تشریف لائے - مسلسل پانچ سال تک اپنے فرائض منصبی نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہے - اس مختصر قیام کے دوران آپ کے ہاتھوں یہ علمی کام پایہ تکمیل کو پہنچا-

۳ - یہ محمود شکری آلوسی کی ,,**بلوغ الارب فی معرفة احوال العرب**،، ہے جو عربی زبان میں تین ضخیم جلدوں میں بغداد سے ۱۸۹٦ء میں شائع ہو چکی ہے- اس کتاب کا اردو ترجمہ بمع مقدمہ و حواشی ڈاکٹر صاحب کے ہاتھوں چار ضخیم جلدوں میں ٦۸ - ۱۹٦۷ء میں مرکزی اردو بورڈ لاہور سے شائع ہو چکا ہے-

اس کتاب کا تعارف دلچسپی کا باعث ہوگا - وہ اس طرح کہ مذکورہ کتاب آلوسی نے ۱۸۸۹ء میں مستشرقین کی اس کانفرنس میں پیش کی تھی جو سٹاک ھوم میں منعقد ھوئی تھی - کانفرنس نے اسے اپنے موضوع پر بہترین کتاب قرار دیا تھا اور آلوسی کو انعام اور طلائی تمغہ بھی دیا گیا - اس کتاب میں عربوں کے حالات کے متعلق ہر قسم کی معلومات جمع کر دی گئی ھیں -

کتاب مذکور کا ترجمہ کرتے وقت ڈاکٹر پیر صاحب کی دور رس نگاھوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اس میں ہر قسم کی غلطیاں موجود ھیں خصوصاً اشعار اور الفاظ کی تشریح وغیرہ - اس لئے آپ کو اس سلسلہ میں اصل مآخذ کی طرف رجوع کرنا پڑا لیکن آلوسی نے اصل مآخذ کو ہر جگہ چھپایا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ سب کچھ آلوسی کی اپنی ذھنی تخلیق کا ثمر ہے-

ڈاکٹر پیر صاحب نے اس کتاب کے اردو ترجمہ میں مقدمہ لکھتے ہوئے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ آپ لکھتے ھیں :

,,آلوسی نے اس کتاب کا بیشتر مواد عبدالقادر بغدادی کی ,,**خزانة الادب**،، سے لیا ہے۔ مگر ساری کتاب میں کسی ایک مقام پر خزانة الادب کا نام واضح طور پر نہیں لیا ۔ خود بغدادی نے جہاں جہاں سے مواد لیا ہے ان کتابوں کا نام دے کر پورا مضمون نقل کر دیا ہے۔ مگر آلوسی کا طریق یہ ہے کہ وہ بغدادی کا ذکر ھی نہیں کرتا اور ان اصل کتابوں کا نام لے کر جن کا حوالہ بغدادی نے دیا ہے مضمون نقل کر دیا ہے جس سے یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ آلوسی نے اصل کتاب سے مواد لیا ھوگا ،،(۲۲) ۔

مزید برآں آلوسی نے جو مضمون بھی ان مآخذ سے لیا ہے اسے بغیر سوچے اور بغیر سمجھے من و عن نقل کر دیا ہے۔ اس سے آلوسی کی بددیانتی کا پول کھل جاتا ہے۔

اسی طرح ایک علمی سرقہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ھیں :

,,مذاھب العرب (بلوغ ۲ : ۳۰) جلد دوم وابتداء جلد سوم کا سارا بیان شرح ابن ابی الحدید سے لیا گیا ہے۔ مگر کہیں بھی اس کا اعتراف نہیں کیا ۔ آلوسی ایک جگہ لکھتے ھیں : ,,وعلی ھذا فسر اصحابنا،،۔آلوسی چونکہ اھل سنت میں سے ھیں اور معتزلی نہیں ھیں لھذا فسر اصحابنا کے الفاظ سے یہ دھوکہ ھوتا ہے کہ شاید یہ تفسیر اھل سنت کی ہے۔ حالانکہ یہ الفاظ ابن ابی الحدید کے ھیں اور اصحابنا سے اس کی مراد معتزلہ سے ہے ،،(۲۳) ۔

علمی سرقہ کے علاوہ آلوسی نے جو تشریحات اپنی طرف سے پیش کیں وھاں بیشتر مقامات پر ٹھوکر کھائی۔اپنے مقدمہ کے آخر میں

ڈاکٹر صاحب کو یہ لکھنا پڑا :

,,کہ ان تمام مثالوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آلوسی نے اس کتاب کی تالیف میں یا تو عقل و دماغ سے کام نہیں لیا یا اگر لیا ہے تو پھر اشعار کو صحیح طور پر سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا ،، (۲۴) ۔

آلوسی کے شاگرد بھجۃ اثری نے اپنے استاد کی کتاب پر حواشی لکھے ، ان سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ ان اغلاط کی نشاندھی کریں گے ۔ لیکن انھوں نے ان اغلاط کی طرف کوئی توجہ نہ دی ۔ یوں لگتا ہے کہ بھجۃ اثری نے انھیں درست تصور کیا ہے ۔ مزید برآں محمد بھجۃ اثری نے جو حواشی لکھے ھیں ان میں بھی کئی مقامات پر خود ٹھوکر کھائی ہے ۔

اگر آج یہ اردو مقدمہ و حواشی جو ڈاکٹر صاحب کی وسعت علمی اور عربی زبان وادب پر ان کی گہرائی و گیرائی کا مظہر ھیں کا ترجمہ عربی زبان میں کرکے دیار عرب میں شائع کیا جائے تو علماء عرب آپ کی وسعت مطالعہ اور جرأت علمی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں گے ۔

۴ ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کو عربی زبان و ادب سے خصوصی تعلق کے ساتھ ساتھ اسلامی تصوّف سے بھی گہرا لگاؤ ہے ۔ چنانچہ اسی تعلق خاطر کی بناء پر آپ نے ابریز کا شاندار ترجمہ شائع کیا ۔ بعد میں آپ نے تراجم کے سلسلہ میں تصوّف کی صرف امّہات الکتب کو منتخب کیا ، انھیں اپنے محققانہ و فاضلانہ انداز میں پیش کیا ۔ فنِ تصوّف میں امام ابوالقاسم عبدالکریم القشیری (م ۴۵٦ھ) کی شخصیت سے کون واقف نہیں ۔ آپ نے تصوّف میں ,,الرسالۃ القشیریۃ،، کے نام سے ایک مبسوط کتاب تصنیف کی ۔ اس کے علاوہ

ان کے تین عربی رسائل

۱ ـ شکایة اهل السنة

۲ ـ کتاب السماع

۳ ـ ترتیب السلوک فی طریق الله

بھی صوفیاء کرام کے ہاں خاصے مقبول ہیں ـ

ڈاکٹر پیر صاحب نے نہایت محنت و کاوش سے ان رسائل کا عربی متن ایڈٹ کیا ، حواشی لکھے اور شروع میں ایک جامع مقدمہ بھی تحریر کیا ـ کتاب کے آخر میں ان تینوں رسائل کا اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے ـ عرصہ ہوا یہ کتاب ,,**رسائل القشیری**،، کے نام سے مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے شائع ہو چکی ہے ـ

,,**الرسالة القشیریه**،، جو امام قشیری کی تصوّف پر مسند تصنیف ہے ، اس کا اردو ترجمہ آج تک شائع نہیں ہوا تھا ، یہ اعزاز بھی ڈاکٹر صاحب کو حاصل ہے کہ آپ نے نہ صرف اس کا اردو ترجمہ کیا بلکہ مفصل مقدمہ جو تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے ، اور طویل حواشی بھی تحریر کئے ہیں ـ

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ امام قشیری اور شیخ علی ھجویری لاھوری کی تاریخ وفات مشہور روایت کے مطابق ایک ھی سال یعنی ۴۶۵ھ ہے ـ اس لئے اس کتاب کی اهمیت دو چند ہو جاتی ہے ترجمہ کرتے وقت ڈاکٹر صاحب نے حسب عادت عربی متن کی بہت سی اغلاط کی نشاندھی کرکے ان کی درستی کی ـ یہ کتاب دوبار مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے شائع ہو چکی ہے ـ

۵ ـ التعرّف لمذهب اهل التصوّف :

یہ کتاب مشہور صوفی ابوبکر بن ابو اسحاق محمد بن ابراهیم بن یعقوب البخاری الکلاباذی کی تصنیف ہے ـ ان کی تاریخ وفات کے

بارہ میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا ـ اکثر مؤرخین وتذکرہ نگاروں کے خیال میں آپ کی وفات چوتھی صدی ھجری کے اواخر میں ھوئی ـ کتاب کی اھمیت کے لئے سہروردی مقتول کا یہ قول کافی ہے ـ

,,لولا التعرّف لَماَ عُرِفَ التصوّف ،، اگر کتاب تعرّف نہ ھوتی تو کوئی تصوّف کو نہ جان سکتا ـ اسی لئے مختصر عرصہ میں اس کتاب کو صوفیاء کا ایک مستند و مختصر متن تسلیم کر لیا گیا ـ

ڈاکٹر پیر صاحب کے اردو ترجمہ سے بہت پہلے کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر اے جے آربری اس کے متن کو ایڈٹ کرکے شائع کر چکے تھے ـ لیکن اردو ترجمہ کرتے وقت پیر صاحب کو مطالعہ سے یہ محسوس ھوا کہ اس میں تحقیق کا حق ادا نہیں کیا گیا ـ بیشتر ناموں کی تصحیح نہ کی گئی تھی ـ اس لئے ڈاکٹر صاحب نے اردو ترجمہ کرتے وقت انگریزی ترجمہ سے بالکل مدد نہیں لی ـ

پروفیسر اے جے آربری نے التعرّف کا سب سے پہلے متن شائع کیا پھر دو سال بعد اس کا انگریزی ترجمہ شائع کیا ـ اور پیش لفظ بھی لکھا ـ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے مطابق آربری اصل کتاب سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے ـ التعرّف میں مذکور اشخاص کی تفصیل کہ وہ کون تھے ؟ کہاں پیدا ھوئے ؟ سن وفات کیا تھا ؟ آربری نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی اور نہ ھی اس سلسلہ میں بیرونی شہادتوں کو اکٹھا کیا ـ اس لئے وہ اصل حقیقت سے ناواقف رھے ـ ڈاکٹر پیر صاحب نے التعرّف کے مقدمہ میں اس کمی کو بھی پورا کیا ہے ـ اس کے علاوہ اے جے آربری کی پیش کردہ بعض آراء سے اختلاف بھی کیا ہے ـ یہ ترجمہ ادارہ المعارف ، گنج بخش روڈ ، لاھور سے ۱۹۷۱ء میں پہلی دفعہ شائع ھوا ـ

٦ ـ کتاب اللّمع فی التصوّف :

اس کتاب کے مصنف ابونصر سرّاج طوسی (م ۳۷۸ھ) ھیں ـ اس کتاب کا شمار تصوّفِ اسلام کی پانچ امّہات الکتب میں کیا جا سکتا ہے ـ بلکہ کتاب اللّمع کو ان میں اولیت کا شرف حاصل ہے ـ ڈاکٹر پیر صاحب نے اس کتاب کی اھمیت کے پیش نظر بہت عرصہ قبل اسے اردو زبان کا جامہ پہنایا ـ ترجمہ کرتے وقت ان کے پیش نظر مشہور مستشرق R. A. Nicholson کا تحقیق کردہ متن تھا، جو مکمل نہ تھا ـ بعد ازاں ان کے شاگرد اے جے آربری کو بانکی پور سے ایک ایسا مخطوط ملا جس میں ایک باب زائد تھا ـ ترجمہ کرتے وقت ڈاکٹر صاحب کے پیش نظر یہ دونوں متون (Texts) تھے، جس کی وجہ سے یہ مکمل اردو ترجمہ ہے ـ

پروفیسر آر ـ اے نکلسن نے اصل کتاب کے مقدمہ میں کہیں کہیں جو اعتراضات اٹھائے تھے، پیر صاحب نے ان کے تسلی بخش جواب دینے کی کوشش کی ہے ـ نیز نکلسن کے حواشی کے علاوہ اپنی طرف سے بیش قیمت حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے ـ

کتاب اللّمع کتبِ تصوّف میں اس لئے بھی اھم ہے کہ ابو نصر سرّاج نے اس کتاب میں بہت سا ایسا مواد جمع کر دیا ہے جو دیگر کتبِ تصوّف میں نہیں ملتا ـ اس کے علاوہ اس میں بہت سی ایسی عبارات موجود ھیں جو نہایت دقیق ھیں اور جنھیں صرف اھلِ حال ھی سمجھ سکتے ھیں ـ

ڈاکٹر پیر صاحب نے کتاب کے فاضلانہ مقدمہ میں ان پچاس افراد کے بارہ میں تفصیل درج کی ہے جن کے اقوال و احوال سرّاج نے اپنی کتاب میں نقل کئے ھیں ـ یہ یقیناً عرق ریزی کا کام تھا ـ اس کے ساتھ ساتھ ,,إنّه لیغان علی قلبی فاستغفرالله سبعین مرةً،، جیسی

مشکل حدیث کی شرح علیحدہ پندرہ صفحات میں اس قدر عالمانہ انداز میں تحریر کی ہے (۲۵) جسے صرف پیر صاحب ھی لکھ سکتے تھے ۔ شارحین حدیث بھی اسے اس قدر اچھوتے انداز میں پیش نہ کر سکے ۔

یہ قابل قدر ترجمہ ۱۹۸٦ء میں ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے شائع ھو چکا ہے ۔

۷۔ ہزارہ کے ترین :

یہ کام ڈاکٹر پیر صاحب کے علمی ذوق کے برعکس خالصةً تاریخ کے حوالہ سے ہے جو ٦٨ ۔ ۱۹٦۷ء میں اس وقت کی حکومت کے ایماء پر ڈاکٹر صاحب کے سپرد کیا گیا ۔ دراصل فیلڈ مارشل محمد ایوب خان اپنے خاندان کی تاریخ کے سلسلہ میں علمی تحقیق کرانا چاھتے تھے ۔ چنانچہ حکّام بالا کے ایماء پر ڈاکٹر پیر صاحب نے یہ منصوبہ اپنے ذمّہ لیا ۔ تحقیق و حصول مواد کے سلسلہ میں افغانستان بھی تشریف لے گئے ۔ اس تحقیق کے بعد اس نے ایک مختصر کتاب کی شکل اختیار کی ۔ ڈاکٹر پیر صاحب نے اسے سیکریٹری اطلاعات جناب الطاف گوھر کے حوالہ کیا ۔ اس کے بعد وہ حکومت زیادہ دیر نہ رہ سکی اس طرح یہ علمی کام منصّۂ شہود پر نہ آسکا ۔

۸ ۔ العباب الزاخر واللباب الفاخر :

سب سے آخری اور اھم کام جو درحقیقت آپ کا علمی شاھکار ہے ۔ اس کی بدولت آپ علم وادب کی تاریخ میں زندہ جاوید بن چکے ھیں ۔ یہ الصغانی اللاھوری کی مرتب کردہ لغت ہے جو بارہ ضخیم جلدوں میں تقریباً چھ ھزار صفحات پر مشتمل ہے ۔ یہ کام ڈاکٹر پیر صاحب نے جامعہ اسلامیہ بھاولپور سے واپسی کے بعد یعنی ۱۹۷۰ء میں شروع کر دیا تھا ۔ اور تقریباً اٹھارہ سال کی شب و روز

محنت کے بعد اسے مکمل کر لیا۔ اپنے ایک مکتوب بنام راقم میں لکھتے ہیں :

,,میں نے یہاں آتے ہی العباب کا انتخاب کر لیا تھا اور اس پر کام شروع کر دیا تھا۔ یہ بہت ہی مشکل اور محنت طلب کام ہے"(۲۶)

پیر صاحب نے اس کا مقدمہ عربی زبان میں لکھا ہے جو تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتداء میں حکومت عراق اسے شائع کرنے کے لئے تیار تھی ۔ بعد میں عراق ایران کی جنگ کی وجہ سے یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا ۔ سننے میں آیا ہے کہ ھجرہ کونسل اسلام آباد نے اس کتاب کا مسودہ طبع کرنے کے لئے لے لیا ہے اور کچھ معاوضہ بھی ادا کر دیا ہے۔ خدا کرے یہ علمی کام جلد از جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر شائقینِ علم و ادب کے ہاں پہنچے اور خصوصاً دیارِ عرب میں اس کی بدولت ڈاکٹر صاحب کا علمی تعارف ہو جائے گا۔

ان چند شکستہ کلمات کے حوالہ سے پورے طور پر ڈاکٹر پیر صاحب کا مکمل علمی تعارف تو نہ کرا سکا ، البتہ ان کی علمی عظمت کا وہ نقش جو میرے ذہن پر مرتسم تھا ، اسے کسی حد تک تک صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے میں کامیاب ہو سکا ۔

ابو نواس کا یہ شعر ڈاکٹر پیر صاحب کے فضائل و کمالات کی ترجمانی کرتا ہے :

لَیْسَ مِنَ اللهِ بِمُسْتَنْکَرِ — أنْ یَجْمَعَ الْعَالَمَ فِیْ وَاحِدِ

حواشی

۱ ۔ اردو انسائیکلوپیڈیا (نیا ایڈیشن) فیروز سنز لاہور ، کراچی ، ص ۸۵ ۔ ۱۲۸۴ ۔

۲ ۔ نقوش (آپ بیتی نمبر) جون ۱۹۶۳ء ، ادارہ فروغ اردو لاہور ، ج ۲ ، ص ۱۰۹۳ ۔

۳ ـ اردو انسائیکلوپیڈیا ، (نیا ایڈیشن) فیروز سنز لاہور ، کراچی ، ص ۲۵ ـ

۴ ـ حوالۂ سابق ، ص ۸۵ ـ ۱۲۸۴ ـ

۵ ـ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، لیفٹیننٹ کرنل عبدالعزیز مرحوم ، ماہنامہ فکرونظر ، اسلام آباد ، (اپریل ۱۹۷۱ء) ، ص ۸۷ ـ

۶ ـ حوالہ سابق ، ص ۸۸ ـ

۷ ـ ماہنامہ دار العلوم (دیوبند) ج ۱۳ ش ۱ (اپریل ۱۹۵۸ء) ـ

۸ ـ یہ عربی نظم غیر مطبوعہ ہے ، اس کے چند اشعار بطور نمونہ درج کئے گئے ہیں ـ

۹ ـ یہ عربی نظم بھی غیر مطبوعہ ہے اس کے بھی چند اشعار بطور نمونہ درج کئے گئے ہیں ـ

۱۰ ـ مکتوب بنام راقم ، بتاریخ ۱۲ جون ۱۹۷۳ء ـ

۱۱ ـ یہ خط ڈاکٹر پیر صاحب نے ایک ایسے شخص کے خط کے جواب میں لکھا تھا جسے اپنی عربی دانی پر ناز تھا ـ

۱۲ ـ پیر محمد حسن ، سید علی ہجویری اور حسین زنجانی ، ماہنامہ فکرونظر اسلام آباد (ستمبر ۱۹۷۱ء) ، ص ۲۰۰ ـ

۱۳ ـ حوالہ سابق ، ص ۲۰۶ ـ

۱۴ ـ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، متحدہ پاک و ہند کے ابتدائی مبلغین ، مجلہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور ، شمارہ دوم (۱۹۶۶ء) ، ص ۱۰۳ ـ

۱۵ ـ حوالہ سابق ، ص ۱۰۳ ـ

۱۶ ـ علامہ عبدالعزیز میمن ، ابو العلاء المُعرّی کے متعلق مستشرقین یورپ کی غلطیاں ، معارف اعظم گڑھ ، (ستمبر ۱۹۲۵ء) ، ص ۲۰ ـ

۱۷ ـ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، مستشرقین کی تحقیقات پر تحقیق کی ضرورت ، ماہنامہ فکرونظر ، اسلام آباد ، (مئی ۱۹۷۶ء) ، ص ۹۳۳ ـ

۱۸ ـ حوالہ سابق ، ص ۳۲ ـ ۹۳۰ ـ

۱۹ ـ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، حقیقت تصوّف ، سہ ماہی فکرونظر ، اسلام آباد ، (اکتوبر ، دسمبر ۱۹۸۸ء) ، ص ۶۵ ـ ۶۳ ـ

۲۰ ـ حوالہ سابق ، ص ۶۸ ـ ۶۷ ـ

۲۱ ـ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، خزینۂ معارف ، علمی کتب خانہ اردو بازار ، لاہور ، ت ـ ن ـ ، ص ۱ ـ

۲۲ ـ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، (اردو ترجمہ) بلوغ الارب ، مرکزی اردو بورڈ لاہور (مئی ۱۹۶۷ء) ج ۱، ص ۳ ـ ۲ ـ

۲۳ ـ حوالہ سابق ، ج ۱ ، ص ۳ ـ

۲۴ ـ حوالہ سابق ، ج ۱ ، ص ۱۱ ـ

۲۵ ـ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، اردو ترجمہ کتاب اللّمع ، ادارہ تحقیقات اسلامی ، اسلام آباد (۱۹۸۶ء) ، ص ۳۰ ـ ۱۸ ـ

۲۶ ـ مکتوب بنام راقم بتاریخ ۲۳ فروری ۱۹۷۳ء ـ

★★★

١٣٥٦